اسلام اورهندوستان

امام الہند، مفسّرِ اعظم، فخر الاماثل، صدرالافاضل حضرت علامہ
الشاہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ
(بانی جامعہ نعیمیہ، مرادآباد، یوپی)

تقدیم وتحشیہ
غلام مصطفی نعیمی
(مدیر اعلیٰ سواداِعظم، دہلی)

ناشر:
طلبۂ فضیلت (سال ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ئ) جامعہ نعیمیہ
تحریک سواداِعظم، ۲۳۴، گراؤنڈ فلور، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶

اسلام اورهندوستان

نام کتاب	:	اسلام اورہندوستان
مصنف	:	صدرالافاضل علامہ الشاہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی
تقدیم وتحشیہ	:	غلام مصطفی نعیمی
اشاعتِ اوّل	:	ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ
اشاعتِ ثانی	:	۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء
کمپوزنگ	:	محمد زبیر قادری Cell: 9867934085
صفحات	:	
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	Rs./- (روپے)

تقدیم

غلام مصطفیٰ نعیمی (ایڈیٹر سوادِ اعظم، دہلی)

ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بستی ہے، جو صرف ایک ملک انڈونیشیا کو چھوڑ کر باقی سبھی ممالک سے زیادہ ہے۔ وطنِ عزیز کی مٹی، یہاں کی آب و ہوا، طرزِ بود و باش کچھ ایسا ''مَن بھاون'' ہے کہ ایک بار جب اہلِ اسلام یہاں آئے تو یہیں کے ہوکر رہ گئے اور اس زمین نے بھی باہیں کھول کر ان کا استقبال کیا اور انھیں اپنا بنا لیا۔ یوں اس طرح مسلمان اسی مٹی کے ہوکر رہ گئے۔

ایسا نہیں کہ مسلمانوں نے اس زمین اور یہاں بسنے والوں کو کچھ دیا نہیں بلکہ مسلمانوں نے یہاں بسنے والوں کو تہذیب وتمدن، رہن سہن اور زندگی گزارنے کے اعلیٰ و زرّیں اُصول عطا کیے، اس زمین کو ایسا قابلِ رشک بنایا کہ یہ خطّۂ زمین ''سونے کی چڑیا'' کہلانے لگا۔

مسلمانوں کی آمد سے قبل اس ملک میں نہ تو جغرافیائی وحدت تھی اور نہ ہی یہ ملک ''ملک'' تھا۔ بلکہ سیکڑوں رجواڑوں، قبیلوں اور خطّوں میں بٹا ہوا تھا۔ آج جتنا بڑا ایک ضلع یا تحصیل کا رقبہ ہوتا ہے، اس وقت اتنے حصّے میں باقاعدہ رجواڑے ہوا کرتے تھے اور تحصیل و ضلع جیسی محدود خطۂ زمین پر ہی راجے مہاراجے براجمان رہا کرتے تھے۔

بطورِ مثال یہاں کے چند مشہور راجاؤں کے نام دیکھیں کہ وہ کتنے مشہور ہیں اور ان کے رجواڑے دیکھیں۔ رانا پرتاپ سنگھ کو کون نہیں جانتا؟ یہ علاقہ چتوڑ کے راجہ تھے۔ راجہ جے چند بھی بڑے مشہور ہیں۔ یہ قنوج کے مہاراج تھے اور پرتھوی راج چوہان تو کافی مشہور ہے۔ یہ بھی اجمیر کے مہاراجہ کہلاتے تھے۔ اب جب مشہور راجاؤں کا حال یہ ہے تو اندازہ لگانا قطعی دشوار نہ ہوگا کہ باقی غیر معروف راجا مہاراجہ کس قدر ''وسیع'' رقبے پر حکومت کرتے ہوں گے۔

اس ملک کو ملک بنانے میں مسلمانوں نے اہم رول ادا کیا۔ مسلمانوں سے پہلے یہ ملک بنگلہ، دراوڑستان، شمال مشرق میں واقع علاقے جو تبّتی نسل سے متعلق ہیں۔ وادی گنگا و جمنا، وادیِ کشمیر، گجرات، وادی ہڑپّہ، وادیِ سندھ اور راجپوتانہ جیسے علاقوں میں بٹا ہوا تھا۔ جہاں لسانی، تہذیبی اور معاشی اقدار بھی ایک دوسرے سے حد درجہ مختلف تھے۔ اس لیے یہ علاقے ہمیشہ منقسم رہے۔ اتنے رجواڑوں میں بٹے ہوئے ملک کو مسلمانوں نے ''ملک'' بنایا اس ملک کی تقسیم کی حالت یہ تھی کہ جب ہندو راجاؤں کے بلانے پر مغل بادشاہ بابر اس ملک میں آیا اور یہاں اپنی حکومت قائم کر لی تو کسی نے بابر سے پوچھا کہ آپ نے اتنے بڑے ملک پر کس طرح قبضہ کر لیا؟ تو بابر کا جواب تھا(I cam I Saw I Conqered) میں آیا میں نے دیکھا اور میں نے جیت لیا۔ یعنی یہ ملک اس قدر ٹکڑوں میں بٹا تھا کہ مجھے قبضہ کرنے میں کوئی خاص محنت نہیں کرنا پڑی۔

اس پورے ملک میں الگ الگ عقائد کے حامل افراد پائے جاتے تھے اور آج بھی پائے جاتے ہیں۔

ہندوستان کے اصلی باشندے: جب ہندوستان کے اصلی باشندوں کا ذکر آتا ہے تو درج ذیل قومیں سب سے قدیم شمار کی جاتی ہیں:

(۱) سنتھال (۲) اُراؤں (۳) منڈا (۴) ہُو اور گول (۵) بھُوئج (۶) کھڑیا (۷) کھڑواڑ (۸) سوریہ بہاڑیہ (۹) توہرا (۱۰) چک برائک (۱۱) مال پہاڑیا (۱۲) گونڈ (۱۳) کور (۱۴) کرمالی (۱۵) اَشور (۱۶) بنجارہ (۱۷) بھیل (۱۸) آوَناگا (۱۹) کھاسی (۲۰) وڈّا (۲۱) انڈمانی (۲۲) قادر (۲۳) ٹوڈا (۲۴) دراوڑ (۲۵) مہلی۔

(آدی باسی تہذیب وثقافت، ص ۳، ۴، ۵، ۶، ۷۔ مؤلف عبدالباری)

یہ بات بھی دل چسپ ہے کہ آریائی قبیلے باہر سے آئے ہیں۔ ان کے آبا و اجداد وسط ایشیا سے قحط سالی، بھکمری اور دیگر آفات کی وجہ سے نقل مکانی کر کے ہندوستان آئے۔ یہ لوگ تہذیبی اعتبار سے زیادہ خود کفیل نہیں تھے۔ اسی لیے خانہ بدوشی اور گلّہ بانی کی زندگی

گزارتے تھے اور تہذیب و تمدّن کے اُصولوں سے نا آشنا تھے۔ اس لیے جہاں جاتے وہاں تخریب کاری شروع کر دیتے۔

پہلے یہ لوگ ایران میں پہنچے اور وہاں تخریبی عمل شروع کیا تو ایرانی حکمرانوں نے انہیں وہاں سے نکال دیا۔ اس کے بعد یہ لوگ کئی قسطوں میں ایران سے ہندوستان پہنچے، جہاں ہڑپّہ تہذیب ایک متمدّن معاشرے کا روپ اختیار کر چکی تھی۔ ان کے اپنے معاشرتی اُصول وقوانین تھے۔

اپنے معاملات کو سُلجھانے کے لیے باقاعدہ ایک تنظیم ہوا کرتی تھی۔ جس کے اثرات آج بھی کہیں نہ کہیں پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے عمدہ معمار، بڑھئی اور کپڑا بُننے والے ہوتے تھے۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے مطابق ان قوموں کے اثرات آج بھی ملتے ہیں۔ انہیں سے پتا لگتا ہے کہ یہ قوم معاشرتی اعتبار سے خود کفیل تھی۔

حالانکہ کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ہندوستان کے قدیم باشندے بھی آریاؤں کی نسل سے ہیں، جیسا کہ آر، پی، پاٹھک لکھتے ہیں:

''سوامی دیانند جی نے کہا ہے کہ ہندوستان کے قدیم باشندے بھی آریوں ہی کی نسل سے ہیں۔ وہ آریوں سے مختلف نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''دراوڑی'' کسی قوم کا نام نہیں ہے، نہ یہ کہ وہ پہلے یہاں کہیں سے آکر آباد و متمدن ہوئے بلکہ دراوڑی ان لوگوں کا نام ہے جو جنوبی ہند کے ایک مخصوص گروپ کی زبانوں کو بولتے تھے۔ مثلاً تمل، تیلگو، ملیالم اور کناری۔'' (آریا اینڈ دراوڑ (انگریزی)، مصنف آر، پی، پاٹھک)

حالانکہ اس بات سے اکثر لوگ اتفاق نہیں رکھتے۔ آریوں نے اپنے مزاج کے اعتبار سے یہاں پر بھی اپنا قبضہ جمانا چاہا اور لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ شروع میں آرین دراوڑوں پر غالب آئے لیکن بعد میں یہ پسپا ہو گئے اور وادیِ گنگا کی طرف جا نکلے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی دائمی حکمرانی کے لیے ذات، پات، بت پرستی اور نسل پرستی کو ایک عقیدہ اور دھرم کی شکل دے کر یہاں کی انسانی آبادی کو کئی خانوں میں تقسیم کر دیا اور اسی فلسفے کے سہارے ایک اچھی بڑی آبادی کو غلامی سے بدتر زندگی جینے کے لیے مجبور کر دیا۔

ہندو دھرم کے کرتا دھرتاؤں نے عدم مساوات کی کیسی مثالیں پیش کی ہیں اس کے لیے صرف ایک نظیر ملاحظہ کریں۔ منواسمرتی (جو ہندوؤں کا مذہبی شاستر ہے) میں لکھا ہے کہ برہمن کا نام کامیابی ظاہر کرنے والا، چھتری کا نام بہادری ظاہر کرنے والا، ویش کا مال ظاہر کرنے والا اور شودر کا خدمت ظاہر کرنے والا نام رکھنا چاہیے۔ آخر میں شرما برہمن کا (جیسے گوپی ناتھ شرما) چھتریوں کا حفاظت کے ساتھ (جیسے بل ویر سنگھ یا شور ویر ورما)، ویش کا مالی مضبوطی کے ساتھ (جیسے کالی چرت گپت) اور شودر کا غلام یا خادم کے ساتھ نام رکھنا چاہیے۔ (جیسے رام داس یا بھگوان داس یا رام غلام وغیرہ)

یہاں یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ جو مذہب پیدائش و نام رکھنے میں مساوات و برابری کا قائل نہ ہو تو زندگی دیگر مراحل و رسائل میں اس سے اس کی کیسے اُمید کی جاسکتی ہے۔ (ڈاکٹر محمد احمد نعیمی، مضمون ہندو دھرم کی اونچ نیچ، مشمولہ سہ ماہی سوادِ اعظم، دہلی۔ شمارہ اپریل تا جون ۲۰۱۲ئ)

یہ اس ملک کی خوش نصیبی تھی کہ یہاں اسلام کے ماننے والوں کے قدم آگئے جس سے مظلوم انسانیت کو سہارا ملا اور انہیں انسانوں جیسی زندگی گزارنے کا موقع نصیب ہوا۔

اس ملک میں اسلام بادشاہوں کی تلواروں، ان کے جلال و جبروت اور ان کی فتوحات کی بنیاد پر نہیں، صوفیائے کرام کی رواداری، پیار محبت، اپنائیت اور مساوات و برابری کی بنیاد پر پھیلا۔ جن لوگوں کو اپنی چارپائی پر بیٹھنے نہیں دیا جاتا تھا، آج انہیں اپنے برابر بیٹھ کر بات چیت کا موقع دیا گیا۔ جو کل تک کسی کو چھو بھی لیتے تو ان کے چھونے بھر سے وہ ناپاک ہو جاتا تھا مگر آج بزرگوں نے ان کے سروں پر بھی شفقت کا ہاتھ رکھا۔ یہی وہ اخلاق و انداز تھا، جس نے صدیوں سے ظلم و ستم کا نشانہ بننے والی اور مذہب کے نام پر ذلیل و رُسوا کی گئی اقوام کو اسلام کی طرف موڑ دیا اور لوگ حلقۂ بگوشِ اسلام ہوتے گئے۔

اسی صورتِ حال کو دیکھ کر مذہبی ٹھیکے داروں نے اسلام پر طرح طرح کے الزامات لگانے شروع کیے، تاکہ ان کی اجارہ داری ختم نہ ہو اور وہ ہمیشہ کی طرح ان پر حکومت کرتے رہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے طرح طرح کے الزامات لگائے گئے جیسے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔ لوگوں کو زبردستی مسلمان بننے پر مجبور کیا گیا۔ ہندو مندروں کو توڑا گیا اور ان کی جگہ مسجدیں بنائی گئیں وغیرہ وغیرہ۔

حالانکہ حقیقت سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ مسلم بادشاہوں نے اپنی طاقت کی بنیاد پر کسی کو مسلمان بننے پر مجبور کیا اور نہ ہی غیر مسلم رعایا کو مذہب کی بنیاد پر کوئی سزا دی گئی اور نہ ہی کسی مندر کو توڑ کر مسجد بنائی گئی۔

لیکن آج آزاد ہندوستان کی تاریخی کتابوں میں جس انداز سے اسلام اور مسلمانوں کو پیش کیا جاتا ہے، وہ انتہائی تعصب اور تنگ نظری کی بدترین مثال ہے۔ مسلمانوں کو حملہ آور لکھنا، ان پر مندر توڑنے کا الزام لگانا، زبردستی مسلمان بننے پر مجبور کرنا۔ ان سارے موضوعات کو جب ایک عام طالب علم پڑھے گا تو اس کے ذہن میں مسلم قوم کی کیسی تصویر بنے گی؟ یہی وجہ ہے کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ وطنِ عزیز میں دونوں قوموں کے درمیان دوریاں بڑھتی جا رہی ہیں اور یہ ملک کے لیے کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ایک طرف ہم سُپر پاور بننے کے خواب دیکھ رہے ہیں تو دوسری طرف ملک دوسری سب سے بڑی اکثریت کو ملکی دھارے سے کاٹ دینا چاہتے ہیں۔ جو لوگ مسلمانوں پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے لوگوں کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا، وہ اس بات کا جواب کیوں نہیں دیتے کہ اگر یہ سچ ہے تو آگرہ، دہلی اور یوپی جیسے علاقوں میں مسلمان ہمیشہ اقلیت میں کیوں رہے؟ یہ علاقے مسلم حکومتوں کے مرکز تھے۔ یہاں تو کسی غیر مسلم کو ہونا ہی نہیں چاہیے تھا؟ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان یہاں کبھی اکثریت میں نہیں رہے۔ ایسا اس لیے ہوا کہ مسلمانوں نے کبھی کسی پر مسلمان بننے کے لیے زور نہیں ڈالا اور نہ مجبور کیا۔ اس لیے مسلمان اقلیت میں رہے۔ اگر زور ڈالا ہوتا تو ہزار سالہ حکومت میں ایک بھی غیر مسلم دکھائی نہ دیتا۔ مگر ایسا ہے نہیں۔ اس لیے جھوٹے الزام لگانے سے باز آنا چاہیے۔

ہندو مندر توڑنے کا الزام: اس الزام کے بارے میں تحریر کرنے سے پہلے یہ اقتباس پڑھیں جو مولانا عطاء الرحمن صاحب جنرل سکریٹری مولانا آزاد اکیڈمی نے لکھا ہے:

”پروفیسر شریف حسین قاسمی صاحب صدر شعبۂ فارسی دلی یونی ورسٹی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ سالِ گذشتہ کسی نے ایک انگریز عورت کو (جو دراصل ایک اسکالر تھی) میرے پاس بھیج دیا۔ جب وہ میرے پاس آئی تو کہنے لگی کہ مَیں مسلم حکمرانوں کی طرف سے مندروں کو دی گئی جاگیروں کے متعلق فرامین پر کام کر رہی ہوں۔ اس تعلق سے میں نے ہریانہ کے مندروں اور مٹھوں کا سروے کیا ہے۔ میں نے ہر قدیم مندر کے پجاری سے رابطہ قائم کیا اور ان سے استفسار کیا کہ آپ کے پاس کوئی شاہی فرمان ہو تو مجھے ازراہِ کرم دکھائیں۔ مجھے انگریز سمجھ کر ہر مندر کا پجاری اپنے اپنے مندر کے پرانے کاغذات لاتے تھے، میں اپنے کیمرہ سے اُن کا فوٹو کھینچ لیتی تھی اور اصل کاغذات ان کو واپس کر دیتی تھی۔ چلتے وقت تھوڑا بہت پیسہ بھی دے دیتی تھی۔ جس سے وہ خوش ہو جاتے تھے۔ میں آپ سے چاہتی ہوں کہ ان فرامین کا خلاصہ تحریر کر دیں۔ میں فارسی سے ناواقف ہوں۔

برادر موصوف نے انگریز عورت سے کہا کہ میں دو تین روز میں ان فرامین کا خلاصہ تیار کر دوں گا۔ آپ دو تین روز کے بعد آ کر لے جائیں۔

پروفیسر شریف حسین قاسمی صاحب نے ان فرامین کا فوٹو فرصت کے اوقات میں دیکھنا شروع کیا تو ان میں کچھ فرامین ہندی میں تھے اور کچھ سنسکرت میں تھے اور زیادہ تر فارسی میں تھے۔ ان فارسی فرامین کا خلاصہ لکھنے کے بعد ان کو شمار کیا تو ۳۰۰ر فارسی فرامین تھے۔ یہ صرف ہریانہ کے مندروں کو مسلم سلاطین واُمرا کی طرف سے دیئے گئے تھے۔ جو عطیات وجاگیروں سے متعلق تھے۔ حسب وعدہ دو تین روز کے بعد جب وہ انگریز عورت آئی تو پروفیسر مذکور نے تمام فرامین کا خلاصہ جو تیار کر رکھا تھا، پیش کر دیا۔ جس سے وہ بہت متاثر ہوئی اور بطور معاوضہ کچھ دینا چاہا تو پروفیسر شریف حسین قاسمی صاحب نے اپنی خاندانی وطبعی شرافت کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا کہ میں غیر ممالک کے لوگوں سے کوئی معاوضہ نہیں لیتا ہوں۔ جس سے وہ کافی متاثر ہوئی۔

مسئلہ یہ ہے کہ جب ہریانہ سے تین سو اصلی فرامین برآمد ہو سکتے ہیں، جو ایک چھوٹا سا

صوبہ ہے تو پورے ہندوستان میں کتنے فرامین ہوں گے؟ اس کی صحیح تعداد کا اندازہ ہندوستان کے تمام مندروں اور گوردواروں کا سروے کرنے کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔''

(حرفِ چند: ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین، ص ۵۔۶، مطبوعہ مولانا آزاد اکیڈمی، دہلی)

اب انداز لگائیں کہ جو لوگ مسلمانوں پر مندر توڑنے کا الزام لگاتے ہیں وہ اس بات کا کیا جواب دیں گے؟

اگر واقعی مسلم بادشاہ مندر توڑتے تھے تو آخر مندروں کو جاگیریں اور عطیات کیوں دیتے تھے۔

زیادہ دور نہ جاتے ہوئے صرف یہی دیکھ لیں کہ دہلی میں لال قلعہ کے ٹھیک سامنے چاندنی چوک میں جین مندر واقع ہے۔ اگر مسلم بادشاہ اتنے کٹّر ہوتے جیسا کہ بتایا جاتا ہے تو کیا وہ اپنے قلعہ کے ٹھیک سامنے اتنا بڑا مندر باقی رہنے دیتے؟ مگر اس مندر کا وجود بتاتا ہے کہ مسلم بادشاہ انصاف پرور اور روادار تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جس اورنگ زیب کو سب سے زیادہ بدنام کیا جاتا ہے اس کی حکومت کی جانب سے جین مندر کے پجاری کو باضابطہ وظیفہ دیا جاتا تھا اور یہ سلسلہ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک چلتا رہا اور اس مندر کی پیشانی پر فارسی کتبہ ۱۹۴۷ء کے بعد تک لگا رہا۔ بعد میں تعصب کی بنیاد پر اس کو ہٹا دیا گیا۔

مشہور محقق ڈاکٹر بی، این پانڈے لکھتے ہیں کہ ایک کتاب میری نظر سے گزری جس میں ٹیپو سلطان کے بارے میں لکھا تھا: ''تین ہزار برہمنوں نے اس لیے خودکشی کر لی کہ ٹیپو سلطان انہیں زبردستی مسلمان بنانا چاہتا تھا۔'' کتاب کے مؤلف تھے مہامہو اُپادھیائے ڈاکٹر ہر پرساد شاستری (ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ سنسکرت، کلکتہ یونی ورسٹی)

مَیں نے انہیں خط لکھ کر ان سے پوچھا کہ یہ واقعہ انہوں نے کہاں سے لیا ہے؟ چار بار کی یاد دہانی کے بعد انہوں نے بتایا کہ یہ واقعہ انہوں نے میسور گزیٹر سے لیا ہے۔

پروفیسر سری کانت جو اس وقت میسور گزیٹر کو ایڈیٹ کر رہے تھے، انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ میسور گزیٹر میں یہ واقعہ کہیں نہیں ہے۔

تاریخ کی وہ کتاب اتر پردیش، بہار، اُڑیسہ اور آسام کے ہائی اسکول کی ٹیکسٹ بک تھی۔ لاکھوں معصوم لڑکے ہر سال اس کتاب کو پڑھتے ہیں۔ اس واقعہ کا ان کے دل پر کیا اثر پڑتا ہوگا؟''

(ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین، صفحہ ۷، ۸۔ مطبوعہ مولانا آزاد اکیڈمی، دہلی)

ڈاکٹر پانڈے صاحب لکھتے ہیں کہ جب میں نے ٹیپو سلطان کے بارے میں مزید کھوج بین کی تو پروفیسر سری کانت نے مجھے ۱۵۶/مندروں کی فہرست بھیجی، جنہیں ٹیپو سلطان کی جانب سے ہر سال تحفے اور چڑھاوا ملتا تھا۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

خود ٹیپو سلطان کے قلعہ میں سری رنگا ناتھ کا مندر تھا، جو آج بھی موجود ہے۔ پھر یہی سوال اُٹھتا ہے کہ اگر مسلم بادشاہ ہندو دھرم اور ہندو رعایا سے نفرت کرتے تھے تو آخر اپنی ہی آنکھوں کے سامنے ان کے مندر کیوں نہیں توڑتے تھی؟ باہر جا کر توڑ آتے تھے اور گھر کے مندر باقی رکھتے تھے؟ کیسا بھدّا مذاق ہے تاریخ کے ساتھ۔

ان سب باتوں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حالات کس قدر خراب ہو چکے ہیں۔ مگر اس صورت حال سے ہمیں دلبرداشتہ یا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم ایک زندہ دل قوم کے افراد ہیں اور اس طرح کی آزمائشوں سے ہمارے حوصلے کمزور نہیں ہوتے۔

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تُو امتحاں ہمارا

اس لیے ہمیں چاہیے کہ تعلیم سے اپنا تعلق مضبوط کریں۔ حکمت و موعظت کے ساتھ برادرانِ وطن کی غلط فہمیاں دور کرنے اور اسلام کی خوبیاں بتانے کی کوشش کریں۔ اسلام سب کی ضرورت ہے، اسے سب تک پہنچانا ہماری ملّی ذمے داری ہے۔

زیرِ نظر رسالہ حضرت صدرالافاضل نے برادرانِ وطن کے طرزِ بود و باش، رہن سہن اور تہذیب و اطوار کو بیان کرنے کے لیے تحریر فرمایا تھا۔ جس کا سنِ اشاعت غالباً ۱۹۳۰ء کے آس پاس رہا ہو۔ کیوں کہ دورانِ تحریر صدرالافاضل شودروں کو مخاطب کرتے ہوئے شدھی تحریک کا کئی مقام پر تذکرہ فرماتے ہیں۔ جس سے اندازہ لگتا ہے شاید یہ کتاب اسی

دوران لکھی گئی ہے۔

اس کتاب کی اشاعت اوّل مولانا مبارک حسین مصباحی (ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور) کی دل چسپی اور علم دوستی کے جذبے کے تحت عمل میں آئی۔ جنھوں نے بڑی محنت سے اس کو اپنے مکتبہ المجمع المصباحی، مبارک پور سے شائع کرایا اور ایک وقیع مقدمہ بھی لکھا۔ اس کے لیے موصوف جماعت اہلِ سنّت کی جانب سے شکریے کے حق دار ہیں۔ اب یہ کتاب نئی کمپوزنگ کے ساتھ، نئی آب وتاب اور نئے رنگ ڈھنگ میں تحریک سوادِ اعظم دہلی سے طلبۂ فضیلت جامعہ نعیمیہ کے اشتراک سے شائع ہو رہی ہے۔ جس میں ان باتوں کا بطور خاص خیال رکھا گیا ہے۔ جیسے:

☆ ہندی الفاظ کا اردو ترجمہ لکھ دیا گیا ہے۔
☆ حسبِ ضرورت حاشیہ بھی لگایا گیا ہے۔

قرآنِ کریم کی آیات کو مع سورہ وآیت نمبر درج کیا گیا ہے۔

کچھ ایک مقامات پر جو خامیاں درآئی تھیں ان کو حتی الوسع دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب یہ کتاب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ مطالعہ کیجیے اور اپنے ذہن ودل کو حضرت صدرالافاضل کی تحریر دل پذیر سے شاد کام کیجیے۔

اگر کہیں کسی طرح کی کوئی خامی پائیں تو اس خاکسار کی تساہلی وکم علمی پر محمول کرتے ہوئے مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ کے لیے تصحیح کی جاسکے۔

فقط والسلام
غلام مصطفیٰ نعیمی

یہ کتاب ان ذیلی عناوین پر مشتمل ہے:

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی حَبِیبِہِ الکَرِیم

ہندوستان ایک وسیع و زرخیز ملک ہے۔ ہر قسم کی نعمتیں یہاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ پیداوار کی فراوانی میں دوسرے ملک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ طرح طرح کے پھول، طرح طرح کے پھل، انواع و اقسام کے غلّے، ہر قسم کے جانور۔ غرض انسانی راحت کے لیے جو چیزیں درکار ہیں وہ بہت افراط سے یہاں موجود ہیں۔ دودھ، دہی، گھی، میوے اور آسائش کی چیزیں اتنی ملتی ہیں جو اِس ملک والوں سے بچ کر دوسرے ممالک کی ضرورتوں کے لیے بھی کافی ہوتی ہیں۔ غلّہ، گوشت، ہڈّی، چمڑہ، سوت لاکھوں من دوسرے ملکوں کو چلا جاتا ہے۔ ہر قسم کی کانیں، ہر طرح کے چشمے یہاں موجود ہیں۔ سرسبز و شاداب ملک، آب و ہوا لطیف، ہر خطّہ اس ملک کا اپنی خصوصیتوں میں ایک عجیب چیز ہے۔

زمانۂ قدیم میں ہندوستان کے باشندے بہت آزاد، نہایت بے تکلّف شادی و خرمی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہاں کی ہر چیز کے وہ تنہا مالک تھے۔ اس طویل و عریض ملک کی فضا پر بلا شرکت غیر ان کا قبضہ تھا۔ ہندوستان میں جو بچّہ پیدا ہوتا تھا وہ جاگیردار، زمین دار سب کچھ ہوتا تھا۔ کھانے پینے، عیش کرنے کے لیے ہر چیز بے فکر ملتی تھی۔ ناداری و افلاس کی شکل کبھی خواب و خیال میں بھی اُن کے سامنے نہ آئی تھی۔ دوسری قوم کی حکومت کا جُوا اُن کے کندھوں پر کبھی نہ رکھا گیا تھا۔ نہ کوئی ٹیکس وصول کرنے والا تھا۔ نہ بے گار لینے والا۔ بچہ بچہ اپنے گھر کا بادشاہ تھا۔ دنیا آزادی کے لطف میں بسر کر رہے تھے۔ یہ لوگ ہندوستان کے قدیم باشندے تھے، جن کی نسلیں آج اکثر پہاڑوں میں بستی ہیں اور کم تر دیگر مقامات میں بھی ہیں۔ یہ لوگ ڈمرے، ٹمٹے، باڑے، لوہار، سنتھال، بھیل، جوانگ اور دوسرے اقطاعِ ملک میں کنجر، چمار، میوڑے، بھانتو وغیرہ کے ناموں سے مشہور ہیں۔ ان میں بود و باش اور طریق زندگی کے لحاظ سے باہم فرق بھی ہے اور اسی وجہ سے یہ جا بجا مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ اس ملک کے ہندو ان لوگوں کو شودر اور اچھوت[1] کہتے ہیں۔ یہی لوگ ہندوستان کے قدیم باشندے ہیں اور قدیم الایّام میں یہی یہاں کے حکمراں تھے۔ گڑھیاں

اور قلعے بناتے تھے۔ پتھر کے ہتھیاروں سے کام لیتے تھے۔ اپنے ملک میں بے دغدغہ عیش کرتے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں اس کا اقرار کیا گیا ہے۔

سوال و جواب مختصر تاریخ اہلِ ہند مرتبہ پنڈت شیام لال بک ایجنٹ، متھرا مطبوعہ وڈّیا بنود پریس، متھرا کے صفحہ ۱۲ و ۱۳ سے ثابت ہوتا ہے کہ:

’’ہندوستان کے اصلی باشندے جن کی نسل مخلوط نہیں ہے، وہ کئی کروڑ ہیں۔ یہ لوگ لکھنے پڑھنے سے ناواقف تھے۔ مٹی کے عمدہ اور خوش قطع برتن بناتے، لوہے کے ہتھیاروں سے کام لیتے، سونے، تانبے کے زیور پہنتے تھے۔ ان سے پہلے لوگ دھات سے بالکل ناواقف تھے۔ شکار کھیلتے اور لڑائی کے لیے تیر اور دوسرے اوزار چقماق پتھر سے بناتے۔ ان میں بہت لوگ دولت مند اور صاحبِ رتبہ تھے۔ ملک کے اکثر حصّوں پر حکمرانی کرتے تھے۔ گڑھیاں[2] اور قلعے بناتے تھے۔ نئی زندگی کی خواہش کرتے تھے۔ مُردوں کو تحفہ تحائف کے ساتھ پتھر کے مقبروں میں دفن کرتے تھے۔ ہندوستان کے وسیع و عریض ملک ہموار میدانوں، زرخیز خطّوں پر انھیں کا قبضہ تھا۔ بفراغت عیش کرتے تھے۔‘‘

تاریخ ہند کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ ہندوستان کے قدیم باشندے جنھیں ہندو شودر اور اچھوت کہتے ہیں، اس ملک کے تنہا حکمراں تھے اور بڑی آزادی اور فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اس ابتدائی زمانے کے لحاظ سے وہ ہنرمند، صاحبِ حرفت اور شائستہ بھی تھے۔ آئینِ حکومت و ملک داری بھی رکھتے تھے اور دولت و مرتبہ بھی۔ مُردوں کے لیے سنگین مقبرے بنانے اور تحفہ تحائف کے ساتھ دفن کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل وحشی نہ تھے۔ مرنے کے بعد آخرت کی زندگی پر ان کا اعتقاد تھا۔ دفن کی رسم اور ہدیہ و صدقہ کے ذریعے مُردوں کو فائدہ پہنچنے کا خیال مسلمانوں سے ملتی جلتی باتیں ہیں اور ہندوؤں کے مذہب کے خلاف ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے طریقے مسلمانوں سے ملتے جلتے

۱۔ ویدوں میں لکھا ہے کہ برہمن منہ کی طرح یعنی منہ سے پیدا ہے، چھتری بازو کی طرح یعنی بازو سے پیدا، ویش پیٹ کی مانند یعنی پیٹ سے پیدا ہوئے اور شودر پیر کی طرح یعنی پیر سے پیدا ہوئے ہیں۔

۲۔ ایک قسم کا چھوٹا نیزہ۔ برچھی

تھے۔ شاید انھیں کسی ذریعے سے انبیا علیہم السلام کی تعلیم پہنچی ہو اور یہ بہت ممکن ہے۔ اس لیے کہ قرآن شریف میں بتایا گیا ہے: وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (سورۂ فاطر، آیت ۲۴) یعنی کوئی اُمّت ایسی نہیں جس میں احکامِ خداوندی سنانے والے نہ پہنچے ہوں۔ قدیم باشندگانِ ہند کے رسوم سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں انبیا کی تعلیم کسی نہ کسی ذریعے سے پہنچی اور وہ مسلمان تھے۔ گو اُن کا نام اس زمانے کی زبان میں کچھ بھی ہو۔ لکھنے پڑھنے کا دستور نہ ہونے سے ان کے حالات مفصّل طور پر محفوظ نہ رہ سکے۔

ہندوؤں کا حال

اس وقت جو لوگ ہندو کہے جاتے ہیں، وہ وسط ایشیا میں بستے تھے۔ (تاریخ مذکور صفحہ ۱۸) اور وہاں کے سبزہ زاروں میں اپنے مویشی لیے جا بجا خانہ بدوش پھرتے تھے۔ (صفحہ ۱۸) کہیں گھر دَر نہ تھا۔ وحشیانہ حالت تھی۔ (صفحہ ۱۸) ذات پات کا کچھ لحاظ نہ تھا۔ (صفحہ ۱۹) گائے کے گوشت [1] سے انھیں کچھ پرہیز نہ تھا۔ (صفحہ ۱۹) ان میں قربانی کا دستور [2] تھا۔ اور قربانی کے لیے وقت مقرر پر جانور کاٹتے تھے۔ قربانی کے اوقات دریافت کرنے کے لیے علمِ ہیئت کی ضرورت ہوئی۔ (صفحہ ۲۴) چونکہ قربانیوں میں جانوروں کے خاص خاص حصّے خاص خاص دیوتاؤں کے لیے مقرر تھے، اسی لیے برہمنوں کو جانوروں کے کاٹنے میں علمِ تشریح کی ضرورت ہوئی۔ (صفحہ ۲۴) ان کے تہذیب وتمدن کا یہ حال تھا کہ ایک عورت کئی کئی خاوند کر سکتی تھی۔ چنانچہ دروپدی [3] پانچ بھائیوں کی بیوی ہوئی۔ (صفحہ ۲۶) ہندوستان میں یہ لوگ پنجاب کی طرف سے داخل ہوئے۔ (صفحہ ۱۸) پوجا کے

---

[1] ہندوؤں کے مذہبی شاستروں میں گائے کے گوشت کو بڑا مرغوب وعمدہ لکھا گیا ہے، جیسا کہ اتھر وید میں ہے:
''وہ جو گائے کا دودھ اور مانس (گوشت) ہے، یہ زیادہ لذیذ اور اچھا ہوتا ہے۔ اسے مہمان سے پہلے نہ کھائیں۔
(اتھر وید، ۹/۶/۳۹/۹)

[2] قربانی یعنی بلی میں گائے پیش کرنا زیادہ پُن (ثواب) کا کام مانا جاتا ہے۔ پھر اس کے ۳۶/حصّے کیے جاتے ہیں۔ بعد میں اسے پنڈت لوگ مل کر کھا جاتے ہیں۔'' (اتیری برہمن، باب ۳۹)

[3] مشہور کہانی پانچ پانڈو میں شامل پانڈو ارجن کی بیوی۔ جو اس کے ساتھ اس کے چاروں بھائیوں کی بھی بیوی بنی ہوئی تھی۔ اور اس پر کسی کو کوئی شرمندگی نہ تھی۔

طریقے انھوں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں سے، جنھیں وہ شودر اور اَچھوت کہتے ہیں، حاصل کیے۔ (صفحہ ۴۳) ہندوستان میں آکر ان میں قومی تفرقے پیدا ہوئے۔ (صفحہ ۲۱) اور اب ہندوؤں میں تین ہزار ذاتیں جُدا جُدا ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ نہ شادی بیاہ کر سکتے ہیں نہ کھا پی سکتے ہیں۔ (صفحہ ۴۱) خدا اور وید کے ماننے میں بھی ان میں بڑے اختلافات ہیں اور ہر قوم کے عقائد دوسری قوم سے بالکل جداگانہ ہیں۔ اسی طرح رسوم اور طریق عبادت بھی۔ تاریخ کے اس بیان سے ثابت ہے کہ ہندو، ہندوستان کے اصلی اور قدیم باشندے نہیں ہیں۔ یہ دوسرے ملکوں سے براہ پنجاب ہندوستان پہنچے اور اس وقت ان کی تہذیب کا نمونہ تھا کہ ایک عورت پانچ بھائیوں سے شادی کرتی تھی۔ قربانی کے لیے علمِ ہیئت کی ضرورت سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کواکب پرستی کرتے تھے۔ اور گوشت سے کچھ پرہیز نہ تھا۔ خاص کر گائے کے گوشت سے بھی۔ یہاں آکر یہ ہندوستان کے قدیم باشندوں کے مہمان ہوئے اور پوجا کے طریقے بھی ان سے اخذ کیے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ان میزبانوں اور استادوں کے ساتھ کیا سلوک کیے۔

ہندوؤں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

ہندوؤں نے ہندوستان کے اصلی باشندوں کو بہت آزار پہنچائے۔ ان کے ملک ومال چھین کر ان کی حکومتیں تاخت وتاراج کر کے انھیں غلام بنایا۔ (صفحہ ۱۲) ذلیل سے ذلیل کام ان سے لیے۔ ان کے آرام وراحت کو برباد کر کے تکلیف ومصیبت میں گرفتار کیا۔ ان کا نام دسیو یعنی دشمن اور داس یعنی غلام رکھا۔ (صفحہ ۱۳) ان کو بے دردی کے ساتھ قتل کیا۔ جو بچے انھیں ملک میں کسی جگہ رہنے نہ دیا۔ (صفحہ ۱۲) حتی کہ اس وسیع ملک میں انھیں جان بچانے کی کوئی جگہ میسر نہ آسکی اور یہاں کی کوئی آبادی بجز غلامی کی ذلت وکلفت کے کسی طرح انھیں جگہ نہ دے سکی۔ انھیں اس ملک میں ٹھہرنا اس قدر مشکل ہو گیا کہ بہ مجبوری وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جان لے کر بھاگے۔ (صفحہ ۱۳) جنگل اور پہاڑ کے وحشی درندوں میں خطرناک زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ ایسی حالت میں ان کی خانہ ویرانی اور قتل وغلامی کی جیسی

مصیبتیں ان پر آئیں۔ اس کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ شیروں، بھیڑیوں اور طرح طرح کے موذی جانوروں کی پرواہ نہ کرکے وہ بنوں اور پہاڑوں کے غاروں میں چھپنے پر مجبور ہوئے۔ پھر بھی ان پر بے رحموں کو صبر نہ آیا اور انھوں نے ان کا نام دیو اور راکشش رکھا۔

ویدوں میں ہندوستان کے اصلی باشندوں کا ذکر

عام ہندوؤں کی مذہبی کتاب وید[1] ہے۔ جس کو ان کے اکثر فرقے مختلف طریقوں سے مانتے ہیں اور آج کل دنیا کو اسی کتاب کے ماننے اور تسلیم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ویدوں میں بھی ہندوستان کے اصلی باشندوں کا ذکر ہے۔ مگر بڑی تحقیر اور توہین کے ساتھ۔ چنانچہ پنڈت شیام لال صاحب اپنی اس کتاب سوال و جواب مختصر تاریخ اہلِ ہند کے صفحہ ۱۳ میں لکھتے ہیں:

”ہندوستان کے اصلی باشندوں کو آریہ لوگ (عام ہندو) حقارت سے دیکھتے تھے۔ اور ان کو دسیو یعنی دشمن اور داس یعنی غلام کہتے تھے۔ ویدوں میں بھی ان کا ذکر بڑی تحقیر کے ساتھ کیا گیا ہے۔......یعنی قربانیوں میں خلل ڈالنے والے، کچا گوشت کھانے والے، مطلق العنان قربانی نہ کرنے والے، کوئی دیوتا یا رسوم مذہبی نہ رکھنے والے لکھا ہے۔ وید کہتے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں نے دسیوں کو قتل کیا۔ اور آریہ لوگوں کی حفاظت کی۔ اور سیاہ فاموں کو آریاؤں کا مطیع کیا۔ جب ان غیر تربیت یافتہ لوگوں نے جنگل میں پناہ لی تو آریہ لوگ ان کو راکشش اور دیو کے نام سے نامزد کرنے لگے۔“

ہندوؤں کی مرتب کی ہوئی اس تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان کے قدیم باشندوں کی مصیبت کا یہ عالم تھا کہ ہندوؤں کی مذہبی کتاب وید میں بھی ان کی توہین کی گئی۔ تاکہ ہندو انھیں قتل کرنا اور غلام بنانا دھرم سمجھیں اور جب تک ہندوستان میں وید مانا جائے گا، کسی طرح ہندوؤں کے دلوں سے ان لوگوں کی حقارت نہیں نکل سکتی۔

پنڈت شیام لال اپنی اسی تاریخ کے صفحہ ۲۱ میں لکھتے ہیں:

---

[1] وید چار مانے جاتے ہیں: (۱) رگ وید (۲) سام وید (۳) یجر وید (۴) اتھر وید

”برہمنوں کا یہ خیال کہ برہمن خالق[1] کے منہ سے، چھتری بانہوں سے، ودیش جانگھوں سے اور شودر پیروں سے نکلے ہیں۔ اس معنی میں صحیح ہے کہ برہمن ان کی قوتِ ذہنی، چھتری ان کے قوتِ بازو تھے۔ ویش کو غلّہ پیدا کرنا ہوتا تھا، جو پیٹ کے واسطے درکار ہے اور شودر پامال شدہ غلام تھے۔“

ہندوؤں کے یہی عقیدے ان بے چارے غریب قدیم باشندگانِ ہند کے لیے ہلاکت اور تباہی کا باعث تھے اور اگر ہندوؤں کی مطلق العنانی کا زمانہ کچھ اور دراز ہوجاتا تو ہندوستان میں ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہتا۔

خیریت یہ ہوئی کہ ہندوستان میں مسلمان آ گئے۔ مسلمانوں کا آنا ان مظلوم قوموں کے لیے رحمت ہوگیا۔ اور ظلم و ستم کا بڑھتا ہوا سیلاب رُک گیا۔ جور و جفا کا دَور دَورہ بہت کم ہوگیا۔ مسلمانوں نے حرّیت و مساوات کے اُصول جاری کیے، جن کی وجہ سے شودروں کو بے دریغ کھلّم کھلاّ قتل کرنا اور غلام بنانا موقوف ہوگیا۔ اور ان کی بدولت ان کی جانیں بچیں۔

قاتل کی سزا

انصاف یہ ہے کہ قاتل کو قتل کیا جائے۔ ہندوؤں کے نزدیک شودروں کا خون کرنا کوئی بات ہی نہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شودر غلامی اور ستم سہنے کے لیے ہی پیدا کیے گئے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے دین کا انصاف بتاتا ہے کہ انسان چھوٹے درجے کا ہو یا بڑے درجے کا، عالی نسب اونچے خاندان کا ہو یا نیچ ذات کا، کسی کا خون ناحق جائز نہیں۔ قرآن شریف میں ہے: اِنَّ النَّفسَ بِالنَّفس (سورہ المائدہ آیت ۴۴) جان کا بدلہ جان ہے۔ ہر بادشاہ اپنے قانون پر عمل کرتا ہے اور مسلمان تو اپنی حکومت کے عہد میں اپنے مذہب کے بہت زیادہ پابند رہے۔ وہ ہندوستان میں شودروں کا بے دردانہ قتل اور ان کی افسوس ناک بربادی کیسے دیکھ سکتے تھے۔ ہندوؤں کو تو شودروں پر ظلم کی عادت پڑی ہوئی تھی اور وہ ان کا قتل و غارت اور ان کی جانوں کا ہلاک کرنا معمولی بات سمجھتے تھے۔ مسلمان گورنمنٹ بے رحم قاتلوں کو

---

[1] یعنی برہما۔ ایک دیوتا جو ہندو عقیدے کے مطابق ساری دنیا کو پیدا کرنے والا ہے۔

سزائے موت دینے پر مجبور تھی۔ جب انھوں نے قاتلوں کو قتل کیا، تب غریب شودروں کی جانیں بچیں۔ اسی وجہ سے ہندو آج تک بادشاہانِ اسلام کو بُرا کہتے اور ظالم بتاتے ہیں۔ لیکن اگر مسلمان بادشاہ ایسا نہ کرتے تو آج دنیا میں اچھوت قوموں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا ہوتا۔

یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں نے اپنی سلطنت کے زمانے میں خواہ مخواہ بلا وجہ ہندوؤں کو قتل کر ڈالا ہو۔ (یہ) ان کے دین میں جائز نہیں ہے۔ اور اگر وہ ایسا کرتے تو سات سو برس سے زیادہ کی زبردست سلطنت کے بعد اس وقت ہندوؤں کا تخم[۱] بھی نہ ملتا۔

مسلمانوں نے اپنی سلطنت کے زمانے میں ہندوؤں پر بہت مہربانیاں کیں۔ انھیں جاگیریں دیں، ریاستیں دیں، انعام و اکرام دیئے، عہدے دیئے، وزارتیں دیں، تعلیم دی، بڑے بڑے احسان کیے۔ مگر ہندو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان بادشاہ ان سے اپنی غریب رعایا (شودروں) کو بے رحمی کے ساتھ برباد بھی کراتے رہتے اور کسی ظلم و ستم پر کچھ باز پرس نہ کرتے۔ اس کو ان کے انصاف نے گوارا نہ کیا۔ نہ کوئی منصف گورنمنٹ گوارا کرسکتی ہے۔

مندر توڑنے کا الزام

ہندو یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ مسلمان بادشاہوں نے ان کے مندر توڑے اور ان کی جگہ مسجدیں بنائیں۔ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈہ ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لیے مان بھی لیا جائے تو مندر توڑنے پر مسلمانوں کو الزام دینا اور ان کے طریق عمل کو ظلم اور خلافِ انصاف کہنا درست نہیں ہوسکتا۔

کیوں کہ ہر گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ بدامنی اور فساد و ظلم کے اسباب کو روکے اور امنِ عامّہ کی حفاظت میں نہایت مستعد رہے۔ جس چیز سے نقضِ امن کا اندیشہ ہو اس کو دفع کرے۔ مندر ملک میں منافرت اور بالخصوص قدیم باشندگانِ ہند کے خلاف جذباتِ حقارت و عداوت پیدا کرنے کا ایک مرکز ہے۔ جہاں برہمن اور شودر کی حقارت آمیز تفریق کی جاتی ہے۔ اور ملک کے کثیر التعداد غریب باشندوں کو (جو کسی وقت اس ملک کے حکمراں

[۱] بیج

تھے) ذلیل، نجس، ناپاک قرار دے کر ان کے دِلوں کو پاش پاش کیا جاتا ہے۔ کسی طرح، کسی حال میں انہیں اس عمارت میں قدم رکھنے کے لائق نہیں سمجھا جاتا۔ ذی اقتدار مغرور قوم کے دل میں غریب باشندگانِ ملک کی طرف سے عناد و عداوت، بغض و نفرت کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لیے یہ مقام ایک زبردست عملی پروپیگنڈے کا اسٹیشن ہے۔ ہر برہمن جو مندر میں داخل ہوتا ہے اس کے دل میں یہ خیال تازہ ہوجاتا ہے اور اس کو وہ فراموش نہیں کرسکتا کہ وہ اس مندر میں آزادی کے ساتھ داخل ہوسکتا ہے۔ مگر شودر اس قابل نہیں کہ کسی حال میں بھی اس مندر کے دروازے میں قدم رکھ سکے۔ وہ کتے اور بندر سے زیادہ ذلیل ہے۔ جب مندر میں ہندوؤں کے یہ خیال روز مرّہ تازہ ہوتے ہیں تو کس طرح وہ شودر کو انسانی عزت اور انسانی حقوق دے سکتے ہیں۔ اور ان کی ظالمانہ و بے رحمانہ روش میں کیسے کمی آسکتی ہے۔ انصاف پرور بادشاہ اپنی رعایا میں نفرت کے جذبات کا بھڑکانا کس طرح گوارا کرتا۔ اس لیے اگر مسلمان بادشاہوں نے اپنے عہدِ عدالت میں مندر[۱] گرایا ہو تو یہ

[۱] اورنگ زیب عالمگیر کے دَور میں نہ جانے کتنے مندروں کو جاگیر و عطیات دیئے گئے، مگر اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا۔ ہاں بنارس کے وشوناتھ مندر کا انہدام نمک مرچ لگا کر بیان کیا جاتا ہے۔ جب کہ اصل واقعہ کیا ہے اس کے بارے میں ڈاکٹر بی۔ این۔ پانڈے لکھتے ہیں: ''وشوناتھ مندر کا قصّہ یوں ہے کہ بنگال جاتے ہوئے اورنگ زیب جب بنارس کے قریب سے گزرا تو ان ہندو راجاؤں نے جو اس کے حشم و خدم میں سے تھے، اورنگ زیب سے وہاں ایک روز قیام کی درخواست کی تا کہ ان کی رانیاں بنارس میں گنگا اشنان اور وشوناتھ دیوتا کی پوجا کرسکیں۔ اورنگ زیب فوراً راضی ہوگیا اور ان کی حفاظت کے لیے بنارس تک کے ۵ میل کے راستے پر فوج کی ٹکڑیوں کو تعینات کردیا۔ رانیاں پالکیوں میں سوار تھیں۔ گنگا اشنان سے فارغ ہوکر وہ پوجا کے لیے وشوناتھ مندر روانہ ہوئیں۔

پوجا کے بعد سوائے، کچھ کی مہارانی کے تمام رانیاں واپس آگئیں۔ مہارانی کی تلاش میں مندر کی پوری حدود چھان ڈالی گئی لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اورنگ زیب کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ سخت ناراض ہوا اور اس نے اپنے اعلیٰ عہدے داروں کو رانی کی تلاش میں بھیجا۔ بالآخر وہ گنیش کی مورتی کے پاس پہنچے جو دیوار میں نصب تھی اور جو اپنی جگہ سے ہلائی جاسکتی تھی۔ اس کو حرکت دینے پر انہیں سیڑھیاں نظر آئیں، جو کسی تہہ خانے میں جاتی تھیں۔ وہاں انہوں نے ایک دہشت ناک منظر دیکھا، رانی کی عزت لوٹی جاچکی تھی اور وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ یہ تہہ خانہ وشوناتھ دیوتا کی نشست کے عین نیچے واقع تھا۔ اس پر تمام راجاؤں نے غضبناک ہوکر سخت احتجاج کیا۔ چونکہ جرم نہایت قبیح تھا اس لیے راجاؤں نے مجرم کو عبرت انگیز سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ اورنگ زیب نے حکم دیا کہ چونکہ وہ مقدس جگہ ناپاک ہوچکی ہے، اس لیے وشوناتھ کے بت کو وہاں سے کسی اور جگہ منتقل کردیا جائے۔ مزید یہ کہ مندر کو زمین بوس کردیا جائے اور مہنت کو وہاں سے گرفتار کرکے سزا دی جائے۔'' (ڈاکٹر بی۔ این۔ پانڈے، ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین، صفحہ ۲۲، مطبوعہ مولانا آزاد اکیڈمی،

شانِ انصاف کے بالکل موافق ہے۔ کیوں کہ مندر ایک عبادت خانہ یا پرستش گاہ ہونے کے بجائے حرّیت و مساوات کا مذبح بنے ہوئے تھے۔

پھر اگر یہ صحیح ہو کہ مندر کی جگہ مسجد تعمیر کی گئی تو یہ بات نہایت مناسب ہوگی۔ کیوں کہ مسجد عبادت خانہ ہونے کے علاوہ حرّیت و مساوات اور باہمی روابط، محبت و اتحاد کا صدرِ مقام ہے، جہاں ایک اچھوت، شودر اور ایک وسیع ملک کا فرماں روا دونوں یکساں داخل ہو سکتے ہیں۔ اور چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا دوش بدوش کھڑا ہو کر اپنے ربّ کی عبادت کر سکتا ہے۔ سلطنت کا مالک ایک فقیر خرقہ پوش کو بھی نظرِ حقارت سے دیکھ کر مسجد سے باہر نہیں کر سکتا۔ تو جذباتِ نفرت و عداوت کی ترقی دینے والی عمارت (مندر) گرا کر اس کی جگہ حرّیت و مساوات اور انسانی قدر و عزت کی عملی درس گاہ (مسجد) تعمیر کرنا یقیناً انصاف پرور سلاطین کی قابلِ قدر، معدلت گستری ہے۔ گو ظلم کے بانی اور جور کے عادی اس کی شکایت کریں۔ بھیڑیئے سے بھیڑ کو چھڑانے والا بھیڑیوں کی جماعت میں ضرور ظالم کہا جائے گا۔ مگر اس کے رحم و کرم کی تعریف مظلوم بھیڑ سے پوچھیے جس کی جان اس کی بدولت بچ گئی۔

جن کے اعتقاد میں شودر غلامی اور ظلم سہنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، وہ ضرور سمجھیں گے کہ مسلمان بادشاہوں نے ان پر بڑا ظلم کیا۔ شکار چھین کر آزاد کر دیا۔ مگر سلاطینِ اسلام کے رحم و انصاف کو مظلوم شودروں کے دل سے پوچھیے جن کی گردنوں سے انھوں نے ظلم و ستم کی پھانسیوں کے پھندے کاٹ کر پھینک دیئے۔ اور انہیں انسانوں کی طرح زندہ رہنے کا موقع دیا۔

ہندوؤں کے مذہب میں شودروں کے حقوق

ہندو شاستر کے احکام

ہندوؤں کا مذہبی شاستر جو اُن کا دستور العمل اور ان کے مذہب کی مستند کتاب ہے، اس میں شودروں کے جو حقوق و مراتب مقرر کیے ہیں، وہ نیچے لکھے ہوئے جوابوں سے معلوم

کیجیے۔ منوسمرتی ادھیائے ۲، اشلوک ۳۱ میں ہے:

''برہمن کے نام میں لفظ منگل یعنی خوشی اور کشتری کے نام میں لفظ بل یعنی طاقت اور ویشیہ کے نام میں لفظ دھن یعنی دولت اور شودر کے نام میں لفظِ نندا یعنی حقارت شامل کرنا چاہیے۔''

دیکھیے! نام سے فرق شروع کیا گیا ہے۔ نفرت و حقارت کی انتہا ہے کہ نام میں بھی لفظ تحقیر شامل کیا جائے۔ مسلمانوں نے غلاموں کے نام بھی باعزت رکھے۔ لوگ کتوں کے ناموں میں بھی لفظ تحقیر شامل نہیں کرتے۔ مگر ہندو شاستر ملک کے اصلی باشندوں کے ناموں میں لفظ تحقیر شامل کرنا لازم کرتا ہے۔ باوجود یہ کہ جانوروں کی محبت کی تعلیم دیتا ہے۔

منوسمرتی ادھیائے ۲، شلوک ۵۷:

''برہمن سب جانداروں سے محبت رکھے۔''

اس تعلیم کو ملاحظہ کیجیے۔ سب جانداروں میں سؤر بھی ہے، کتّا بھی ہے، تمام وحشی اور درندے بھی ہیں، ناپاکی اور نجاست کے کیڑے بھی ہیں۔ ان سب سے براہمن محبت رکھے مگر شودر کا نام بھی سیدھی طرح نہ لے، اس میں لفظ تحقیر ضرور شامل کرے۔ کیسا ظلم اور انسانیت کا بے دردانہ خون ہے۔

منوسمرتی ادھیائے ۲، شلوک ۳۶:

''برہمن، کشتری، ویش کا جنیو کرنا چاہیے اور جس کا جنیو نہ ہو، وہ شودر کہلائے گا۔''

معلوم ہوا کہ جنیو ایک امتیازی علامت ہے۔ جس سے شودروں کو بہ نظر تذلیل منع کیا گیا۔ منوسمرتی میں شودروں کو جنیو کا مستحق نہیں قرار دیا گیا۔ پھر آج کل جو شدّھی کے کار کن ڈورے ڈال رہے ہیں، اس میں کیا راز ہے؟ سمجھیے! سمجھیے!!

منوسمرتی ادھیائے ۳، شلوک ۱۵:

''برہمن، کشتری، ویشیہ تینوں ورن اگر محبت کی وجہ سے نیچ ذات کی لڑکی کے ساتھ وِواہ کریں تو اولاد اور اپنے کُل[1] کو جلد ناش[2] کر دیتے ہیں۔''

---
[1] خاندان [2] برباد

منوسمرتی ادھیائے ۲، شلوک ۱۷:

”شودر کی لڑکی کو اپنے پلنگ پر بٹھانے سے برہمن نرگ میں جاتا ہے اور اس کے لڑکا پیدا ہونے سے دھرم کرم سے الگ ہو جاتا ہے۔“

شلوک ۱۸:

”جس برہمن کے گھر میں شودر کی کنیا[۱] دیوکرم اور پترکرم کرتی ہے، اس کے دیئے ہوئے ہبیہ اور کبیہ کو دیوتا اور پتر نہیں لیتے اور برہمن سورگ میں نہیں جاتا ہے۔“

شلوک ۱۹:

”جو برہمن شودر کی لڑکی کے لب سے لب ملائے یا اس کے منہ کی وایو[۲] کو اپنے بدن میں لگنے دے اور اس سے اولاد پیدا کرے، اس کا پراشچت نہیں۔“

ان اشلوکوں میں شودروں کی کس قدر اہانت، تذلیل، تحقیر ہے کہ شودروں کی لڑکی سے کوئی بیاہ کرے تو اس کی اولاد اور سب خاندان برباد ہو۔ پلنگ پر بٹھائے تو نرک میں جائے۔ اس سے اولاد ہو تو دھرم کرم سب اکارت۔ برہمن کے گھر میں شودر کی لڑکی نیک کام بھی کرے تو اس کی سزا میں برہمن بھی سورگ[۳] سے محروم۔ شودر کی لڑکی کے منہ کی ہوا اگر برہمن کو لگ جائے تو برہمن کی توبہ بھی قبول نہیں۔ اس قدر نجس اور ناپاک اور خبیث ہو جاتا ہے۔ جہاں شودروں کے متعلق یہ تعلیم دی گئی ہو اور جس قوم کے شاستر کے یہ اُصول ہوں، کیا کبھی وہ قوم شودروں کے حال پر رحم کر سکتی ہے؟ اور جس مذہب میں یہ بے رحمانہ، انسانیت سوز تعلیم دی گئی ہو کیا وہ دین خدا کی طرف سے ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا ایسے دین کو قبول کر کے انسان نجات پا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیا ہندوؤں نے کسی پلید سے پلید جانور کی بھی ایسی تحقیر کی ہے۔ ابھی کیا ہے۔ تھوڑا اور مطالعہ کیجیے۔

منوسمرتی ادھیائے ۳، شلوک ۱۷۸:

”شودر کی یگیہ میں یگیہ کرانے والا برہمن اپنے انگوں سے جتنے برہمنوں کو چھوتا ہے، اتنے برہمنوں کے دینے کا پھل داتا نہیں پاتا۔“

۱ لڑکی ۲ ہوا ۳ جنت

اس اشلوک سے معلوم ہوا کہ شودر ایسا نجس، ناپاک اور مجسّم پاپ اور متعدی جرم ہے کہ اگر برہمن بھی اس کی یگیہ میں یگیہ کرائے تو وہ برہمن اس قدر ناپاک، نجس اور پاپی ہو جاتا ہے کہ وہ جتنے برہمنوں کو چھو دے وہ سب مہا پاپی ہو جائیں۔ اور ان کے دینے کا کچھ پھل نہ ہو۔ اور کوئی انہیں ٹکڑا نہ دے۔ بھوکے مر جائیں تو جس شودر کی یگیہ کرانے والے کے چھوئے ہوئے ایسے نجس اور پاپی ہو جائیں اس شودر کے نجاست اور اس کے پاپ کی کیا انتہا؟ سارے سمندروں سے دھویا جائے، جب بھی پاک نہ ہو۔ بلکہ سمندر چھو جائے تو سارا سمندر ناپاک ہو جائے۔ شودرو! اب سمجھو شدّھی کیا چیز ہے؟ اس کی تہہ میں کیا مطلب ہوگا۔

منوسمرتی ادھیائے ۳، شلوک ۲۴۱:

”سوَر سونگھنے سے، مرغا پر کی ہوا دینے سے، کتّا دیکھنے، شودر چھونے سے ماش کرتا ہے۔“

اس اشلوک میں سوَر کا سونگھنا اور شودر کا چھونا برابر کر دیا۔

منوسمرتی ادھیائے ۴، شلوک ۶۱:

”جس گاؤں میں شودر کا راج ہے اور جس میں اَدھرمی پاکھنڈی چانڈال آدمی فساد کرتے ہوں، اس گاؤں میں نہ رہے۔“

شودر کا راج تو ہندو کیا گوارا کرتے، مگر اس اشلوک کا لحاظ ہندوستان سے کہیں اور کو چلتے ہو جائیں کیوں کہ یہاں اَدھرمیوں کا راج ہے۔

منوسمرتی ادھیائے ۴، شلوک ۸۰:

”شودر کو صلاح نہ دے سوائے داس (غلام) کے اور شودروں کو جوٹھا[۱] ان نہ دے جو ہبیہ نہ ہوں، کرنے بچ رہا ہے وہ شودر کو نہ دے اور دھرم کا اُپدیش بھی شودر کو نہ دے۔“

اس اشلوک میں بتایا ہے کہ شودر جوٹھا کھانا دینے کے بھی قابل نہیں اور آج کتنے برہمن شودروں سے مانگتے پھرتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا ستم ہے کہ شودر کو صلاح اور نیک مشورہ بھی

۱ کھانا

نہ دے۔

اب شودر خوب سمجھ لیں کہ ہندو شودروں کو جو کچھ بتاتے ہیں وہ نیک مشورہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ ضرور اس میں انہیں کا کچھ مطلب ہوگا۔ اس اشلوک سے شدّھی کا راز بھی کھل گیا۔ کیوں کہ جہاں شودر کو دھرم کا اُپدیش دینا بھی جائز نہیں، وہاں شدّھی کیسی؟ یہ کوئی سیاسی چال ہے۔ ہوش میں آ ؤ۔

منوسمرتی ادھیائے ۴، شلوک ۸۱:

”جو شخص شودر کو دھرم اور برت کا اُپدیش دیتا ہے، وہ مع اس شودر کے اسمبرت نام نرک میں جاتا ہے۔“

جب دھرم کا اُپدیش دینے والا بھی نرک میں جاتا ہے تو اس اُپدیش سے شودر کو کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔ اگر شودر کسی اُپدیشک کے کہنے میں آ کر دھرم قبول بھی کرے تو مع اُپدیشک کے اسمبرت نام نرک میں جائے گا۔ اب نرک میں جانا ہو تو ہندو دھرم قبول کرو۔

منوسمرتی ادھیائے ۴، شلوک ۹۹:

”شودر کے پاس نہ پڑھے۔“

اور نہ اس کو استاد بنائے، شودر کے قریب بھی نہ پڑھے۔ نہ اس کے کان میں کوئی لفظ وید اور شاستر کا پڑھ پاوے۔ اب شودر غور کریں کہ جب وید و شاستر کو اس طرح شودر سے بچانے کا حکم ہے تو کس طرح ان کو دھرم کا پرچار کیا جاسکتا ہے۔ شودر دھوکے سے بچیں۔

منوسمرتی ادھیائے ۴، شلوک ۱۴۰:

”اور شودر کے ساتھ اکیلے کہیں نہ جائے۔“

(اس بے اعتباری اور نفرت کو دیکھیے)

منوسمرتی ادھیائے ۴، شلوک ۲۲۳:

”ودوان[1] برہمنوں کو شودر کا پکایا ہوا کھانا نہ کھانا چاہیے۔“

۱؎ فاضل، دانشور ۲؎ بے وقوف ۳؎ نصیحت

منوسمرتی ادھیائے ۴، شلوک ۲۰:

”جو ذات ہی میں برہمن ہو اور برہمن کا کام کچھ بھی نہ کرتا ہو۔ اور مورکھ[2] ہو تو بھی وہ راجہ کو دھرم کا اُپدیش[3] کرسکتا ہے۔ اور شودر کیسا ہی ہو وہ اُپدیش نہیں کرسکتا۔“

اس فیاضی کو دیکھیے......شودر کو کس فراخ دلی سے انسانی حقوق دیئے ہیں؟

منوسمرتی ادھیائے ۸، شلوک ۲۱:

”جس راجہ کے دھرم کا بچار[1] شودر کرتا ہے اس راجہ کا راج اس کے دیکھتے ہی دیکھتے مٹ جاتا ہے۔ جیسے دلدل میں گئو پھنس کر مر جاتی ہے۔“

اس عقل مندی کو تو دیکھیے! شودر بچار تو کرے دھرم کا اور مٹے راج۔

منوسمرتی ادھیائے ۸، شلوک ۲۶۷:

”اگر کشتری کسی برہمن کو چور کہے تو سو پن ڈنڈ دیوے۔ اور اگر ویشیہ ایسی بات کہے تو ڈیڑھ یا دو سو پن دیوے اور اگر شودر ایسی بات کہے تو قطع عضو کے لائق ہے۔“

یہ تفصیل کچھ نہیں کہ یہ بات سچی ہو یا جھوٹی۔ ہر صورت میں سزا ہے۔ چاہے برہمن چوری کرے۔ مگر اس کو چور کہنے والا مجرم ہے۔ پھر یہ انصاف تو دیکھیے ایک ہی جرم اور سزائیں مختلف۔ کشتری اور ویش تو ڈنڈ دے کر چھوٹ جائیں مگر شودر کی زبان کاٹے بغیر نہ چھوڑا جائے۔ جس زمانے میں یہ قانون رائج ہوگا، اس زمانے میں شودروں کی جان کس مصیبت میں ہوگی اور انھوں نے کیسی کیسی مصیبتیں جھیلی ہوں گی۔

منوسمرتی ادھیائے ۸، شلوک ۲۷۰:

”اگر شودر یعنی جاہل خدمت گار عالم، سپاہی اور بیوپاری سے سخت کلامی سے پیش آئے تو اس کی زبان چھید کرنے کے لائق ہے۔ کیوں کہ وہ جن لوگوں کی خدمت کے واسطے مقرر ہوا ہے، بجائے اُن کی خدمت کے اُن کی توہین کرتا ہے۔ (اس منصفانہ حکم کو غور کرو)

منوسمرتی ادھیائے ۸، شلوک ۲۷۱:

۱؎ غور وفکر

''جوشودر (ارے تو فلانے برہمن سے نیچ) ایسا باآواز بلند برہمن وغیرہ کے نام اور ذات کو کہے تو اس کے منہ میں بارہ انگل کی میخ آہنی جلتی ہوئی ڈالنا چاہیے۔''

برہمن کے ساتھ وغیرہ بھی ہے۔یعنی کسی کھتری یا بنیے کو کہے جب بھی یہی سزا۔اور سزا تو ملاحظہ کیجیے۔شودر کی جان ان کے نزدیک جانور کے برابر بھی نہیں۔

منوسمرتی ادھیائے ۸،شلوک ۲۷۲:

''جوشودر غرور سے دھرم کا اُپدیش کرنے والا ہو اس کے منہ اور کان میں گرم تیل راجہ ڈالے۔''

دھرم کے اُپدیش کی یہ سزا ہے۔پھر شودر کو دھرم کون بتائے گا۔اور دھرم کا لفظ اس کی زبان پر کون مانے گا۔اب تو آپ کو یقین ہو گیا ہو گا کہ شدّھی کی چال محض دھوکا ہے۔ذرا اس سزا پر بھی غور کیجیے۔سزا تجویز کرنے والا دل رحم کے تصور سے بھی آشنا نہ تھا۔

منوسمرتی ادھیائے ۸،شلوک ۲۸۱:

''چھوٹا آدمی، بڑے آدمی کے ساتھ ایک آسن پر بیٹھے تو اس کی کمر میں نشان کر کے نکال دیوے۔خواہ اس طرح اس کے چوتڑ[۱] کو کاٹ دے کہ وہ مرنے نہ پائے۔''

سمجھے! شودر ہندوؤں کی نشست بھی نہ بیٹھے ورنہ کمر میں نشان کر کے جلا وطن کیا جائے یا اس کا سرین کاٹ ڈالا جائے۔جس زمانے میں منوسمرتی کا قانون نافذ تھا اس وقت شودروں کی زندگانی کس جور و ستم کا تختۂ مشق بنی ہوئی تھی۔

منوسمرتی ادھیائے ۸،شلوک ۲۸۲:

''غرور سے بدن پر تھوکے تو دونوں ہونٹ چھید ڈالے۔اور پیشاب کرے تو عضو تناسل کاٹ ڈالے اور براز کرے تو مقعد کاٹ ڈالے۔''

شودر کی یہ قدر و منزلت ہے۔

منوسمرتی ادھیائے ۸،شلوک ۲۸۳:

''جوشودر برہمن کے بال، پاؤں و داڑھی و کلا و فوطہ کو غرور سے پکڑنے والا ہے، اس کا

ہاتھ کاٹنا چاہیے۔یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ اس کو تکلیف ہو گی۔''

شودر کی تکلیف کا کیا خیال، بال پکڑنے پر ہاتھ کاٹ ڈالنے کی سزا۔

منوسمرتی ادھیائے ۸،شلوک ۳۷۴:

''برہمن، کشتری، ویشیہ کی عورت شوہر وغیرہ سے محفوظ نہ ہو خواہ محفوظ ہو۔اس سے جماع کرنے والے شودر کا عضو تناسل قطع کرنا و تمام دولت چھین لینا و سزائے قتل دینا چاہیے۔''

عورت کے لیے کچھ حکم نہیں۔یہ سب سزا شودر ہی کے لیے ہے۔پھر قطع عضو پر صبر نہیں، دولت چھین لینے پر بس نہیں، آخر میں قتل بھی کر ڈالنا ہی ضروری ہے۔

منوسمرتی ادھیائے ۸،شلوک ۴۱۳:

''برہما نے شودر کو برہمنوں کی خدمت کے واسطے بنایا ہے۔اس واسطے خواہ شودر خریدا ہوا ہو یا ملازم ہو اس سے کام برابر لینا چاہیے۔''

یہ اعتقاد ہے کہ شودر برہمن کی خدمت ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

منوسمرتی ادھیائے ۸،شلوک ۴۱۷:

''برہمن، داس[۱] شودر سے دولت لے لیوے۔اس میں کچھ بچار[۲] نہ کرے۔کیوں کہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں ہے۔وہ بے زر ہے اور جو دولت فراہم کرے، اس دولت کو ختم کر ڈالنا ہے۔''

منوسمرتی ادھیائے ۱۰،شلوک ۱۲۳:

''برہمنوں کی خدمت کرنا شودروں کا سب سے بڑھ کر دھرم ہے اور جو شودر اس کو چھوڑ کر اور کام کرتا ہے وہ اپنی زندگی نسپھل[۳] کرتا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ شودر عمر بھر برہمنوں کی غلامی کرے۔کچھ کام نہ کرے جو کمائے وہ برہمن لے لیں۔

۱؎ غلام ۲؎ غور ۳؎ ناکام و نامراد

منوسمرتی ادھیائے ۱۰، شلوک ۱۲۶:

''شودر کے واسطے کوئی پاپ اس سے زیادہ نہیں کہ وہ عالموں کی خدمت نہ کرے۔''

منوسمرتی ادھیائے ۱۰، شلوک ۱۲۹:

''شودر طاقت رکھنے پر بھی دولت جمع نہ کرے۔ کیوں کہ شودر کے پاس ہو جانے سے وہ برہمنوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جب جاہل کے پاس دولت ہوتی ہے تو وہ عالموں کی خدمت چھوڑ دیتا ہے۔ اور ان کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ اس واسطے دولت سے شودر کا دھرم ناش[1] ہو جاتا ہے۔''

منوسمرتی ادھیائے ۱۰، شلوک ۹۶:

''اگر نیچ ذات یا کم لیاقت والا آدمی لالچ سے بڑی لیاقت والوں کے کام سے گزارہ کرے تو راجہ اس کی تمام دولت ضبط کر کے ملک سے باہر کر دے۔''

یہ تھوڑے سے اشلوک بطور نمونہ لکھے گئے ہیں۔ ایسے مضامین کے اشلوکوں سے کتاب بھری ہوئی ہے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ جس قوم کا دھرم یہ ہو اور شاستر میں اس کو یہ تعلیم دی گئی ہو۔ صدیوں سے وہ اس قوم کو اپنا غلام سمجھتی ہو اور اس کا اعتقاد ہو کہ شودرؔ برہمنوں کی خدمت گاری ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور وہ دنیا میں کوئی کام کر کے کسی دولت کے مالک نہیں ہو سکتے۔ کیا ایسی قوم سے ہم دردی اور مہربانی کی اُمید رکھنا کسی طرح درست ہو سکتا ہے؟

شودر اقوام جو صدیوں سے ہندوؤں کی جفا کاریوں کا شکار ہوتی رہی ہیں اور جن کو انہوں نے جانور سے بدتر دیکھا ہے اور ہمیشہ ان پر بے دردی سے ظلم کیے ہیں۔ اگر آج وہ اپنی ترقی چاہتی ہیں تو غور کریں کہ ان کو کس پارٹی میں شامل ہونا چاہیے۔ اور کون مذہب فراخ دِلی کے ساتھ انہیں انسانی حقوق دے سکتا ہے۔ حریت و مساوات کے اُصول سے انہیں عزت عطا کر کے تمام پچھلی مصیبتوں اور کوفتوں کی تلافی کر سکتا ہے۔

---

[1] برباد

دنیا کے تمام مذاہب پر نظر ڈالنے سے اسلام کے سوا اور کوئی مذہب ایسا نہیں معلوم ہوتا جو دریا دلی سے انسانی عزت دے سکے۔ اسلام بے شک اپنے پیروؤں کو بے دریغ عزت دیتا ہے۔ قومی و نسلی تفرقوں کو مٹا کر سچی یگانگت اور پُر لطف محبت کا مزہ اسلام ہی میں ملتا ہے۔ آج ہی ایک شودر اسلام لا کر شیخ کا معزز لقب پا سکتا ہے۔ اور بڑے سے بڑے خاندانی مسلمان کے ساتھ ایک دسترخوان پر بلکہ ایک پیالہ میں کھا سکتا ہے۔

اسلام کا کلمہ مسلمانوں کے اعتقاد میں انسان کو پاک کر دیتا ہے۔ اس لیے مسلمان کلمہ پڑھ لینے کے بعد بے تکلف نَو مسلم کا جوٹھا کھا پی لیتے ہیں اور اس کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ حقارت سے دیکھنے کو ان کے مذہب نے منع کیا ہے۔ اور قرآنِ پاک میں یہ تعلیم دی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ (سورہ الحجرات، آیت ۱۰) ایمان دار آپس میں بھائی ہیں۔

ایسی منصفانہ تعلیم یقین دلاتی ہے کہ بے شک یہ دین خدا کی طرف سے ہے۔

OOOO

مدارسِ اسلامیہ

مدارس کی کمی

ترقی کا دَور

مقصد

انگریزی درس گاہیں ہمارے لیے کافی نہیں

غرض

ہندوستان کی عام زبان

از: صدرالافاضل

ہر قوم کی ترقی کا دارومدار تعلیم پر ہے۔ جب انسان کے دماغ میں عمدہ خیالات، بلند حوصلے، نفیس معلومات ہوں گے تو وہ اپنی عقل و تدبیر سے کوئی اچھا کام لے سکے گا۔

نوعمر مسلمانوں کی معلومات بالعموم ناولوں اور عشقی قصّے کہانیوں میں منحصر ہیں اور اس کا جیسا تباہ کن اثر ہونا چاہیے، ہو رہا ہے۔

مدارس کی کمی:

مدارس اور درس گاہیں بہت کم ہیں اور چوں کہ ہمارا علمی مذاق خراب ہو چکا ہے اس لیے عام دماغوں میں مدارس کوئی ضروری اور کارآمد چیز بھی نہیں خیال کیے جاتے اور اسی وجہ سے مدرسوں کی نہایت قلیل تعداد مسلمانوں کو بہت کافی بلکہ ضرورت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ قاعدے کی بات ہے جس چیز سے انسان کو رغبت نہ ہو، وہ کم بھی ہو تو زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی اور اسلامی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے۔ عمدہ خصائل اور اوصافِ فاضلہ سے مسلمان محروم ہوتے جاتے ہیں۔ درندہ خصائل اور جنگ جوئی، سنجیدگی اور شائستگی کی جگہ لیتی جاتی ہے۔

ترقی کا دَور:

مسلمانوں کی ترقی کے عہد کو سامنے لائیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ ہمارے اسلاف شب و روز تعلیم کی ترقی میں مصروف تھے اور ان کی نگاہوں میں تعلیم ہر چیز سے زیادہ ضروری اور قابلِ قدر تھی۔ بے شمار درس گاہیں کھلی ہوئی تھیں۔ علما کو بیش قرار تنخواہیں دی جاتی تھیں۔

طلبہ کے وظیفے مقرر تھے۔ مسلمانوں کی علمی قدردانی طلبہ میں شوقِ تحصیل پیدا کرتی تھی۔ ان کی راتیں مطالعہ میں سحر ہوجایا کرتی تھیں۔ اور وہ اپنے اعزّہ واقارب اور وطن تک کو مدتِ تحصیل تک فراموش کردیتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کی نگاہوں میں ان کی عزت تھی۔ جہاں ان سے تہذیب سیکھنے کے لیے سرِ نیاز جھکاتا تھا، وہ جس کام کے لیے قدم بڑھاتے کامیابی ان کا خیر مقدم کرتی تھی۔

آج بھی جو قوم با اقبال ہے اور جس جس کا موافق دیار ہۓ وہ ترقی علم میں محو ہے۔ اور اس نے ممالکِ چیدہ جیدہ میں درس گاہیں جاری کی ہیں۔ اور روز بروز ان کی ترقی اور اضافہ کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

مقصد:

جو سعی کسی مقصد کے لیے کی جائے اس سے وہی مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔ جَو بوکر گیہوں کاٹنے کی توقع فضول ہے۔ عمارت بے شک مفید اور کارآمد چیز ہے، بازار کی عمارت جس مقصد کے لیے بنائی جاتی ہے، وہ تو اس سے حاصل ہوسکتا ہے لیکن وہ عمارت قلعہ کا کام نہیں دے سکتی۔ اسی طرح حفظانِ صحت کے لیے جو تعلیم دی جائے وہ انجینئری میں کام نہیں آسکتی۔ اگر آپ کو انجینئروں کی ضرورت ہے تو آپ کو اس مدّعا کے لیے ایک جداگانہ دارالتعلیم درکار ہے۔ میڈیکل کالج اس ضرورت کو پورا نہیں کرسکتا۔ انجینئری کی درس گاہ وکیل اور بیرسٹر نہیں پیدا کرسکتی۔ کیوں کہ وہ اس مقصد کے لیے جاری نہیں کی گئی۔

انگریزی درس گاہیں ہمارے لیے کافی نہیں:

علیٰ ہذا انگریزی درس گاہیں خواہ وہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، کالج خواہ یونی ورسٹیاں ہوں، یا تحصیلی اور پرائمری مدارس و مکاتب، مشرقی زبان کی درس گاہیں ہوں، خواہ مغربی کی۔ وہ جس مقصد کے لیے جاری کی گئی ہیں اس کے سوا اور دوسرا مقصد ان سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ وہ مسلمانوں کو مسلمان بنانے، اسلامی زندگی کی حفاظت کرنے، اسلامی عادات و خصائل کا رواج دینے، دین داری کی خوگر و عادی بنانے کے کام نہیں آسکتیں۔ ان کے پڑھے ہوئے

طلبا اسلامی عقائد، اسلامی اخوت و اتحاد، اسلامی طرزِ معاملات و معاشرت کا نمونہ نہیں ہوسکتے۔

غرض اسلامی حیثیت سے یہ مسلمانوں کے لیے کوئی کارآمد چیز نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان درس گاہوں کے طلبہ بالعموم اسلامی اخلاق و اوضاع، اسلامی عادات وخصائل سے بالکل بے تعلق نظر آتے ہیں۔ صورت، عمل، عقیدہ کوئی چیز اسلامی نہیں رکھتے، گویا اسلام ان کے لیے ایک اجنبی چیز ہوتا ہے اور وہ اسلام اور مسلمانوں سے بے گانہ ہوجاتے ہیں۔ اس کے شواہد بہت کثیر ہیں۔ سرِ دست تفصیل ضروری نہیں معلوم ہوتی ہے۔ تعلیم جادو کی طرح اثر کرتی ہے۔ جنہیں ابتدائے عمر سے یورپی قسم کا پیدا کیا گیا ہو اور مغربیت ان کی عادتِ ثانیہ ہوگئی ہو، اگر وہ اپنے مذہبی امتیازات مٹا ڈالیں تو کیا تعجب ہے؟ مسلمانوں کی تباہی کا یہ بت بڑا سبب ہے کہ وہ مذہبی علوم سے بے تعلق ہونے کی وجہ سے اپنی خصوصیات کو محفوظ نہیں رکھ سکتے اور اپنی قومی وملّی زندگی کو انھوں نے خود تباہ کرلیا۔ دنیا کی تمام ترقی یافتہ قومیں اپنے قومی خصائص کو محفوظ رکھتی ہیں اور اسی میں ان کی زندگی ہے۔

ہندوستان کی عام زبان:

اردو ہندوستان کی عام زبان ہے۔ ہندو اور مسلمان اس میں برابر کے شریک اور حصّے دار ہیں۔ لیکن آج ہندو اپنی ترقی کے دور میں اس کو مٹا ڈالنے کے لیے کیسی جانکاہ کوشش کررہے ہیں اور ایک مردہ زبان کو جو اُن کی قومی یا مذہبی زبان ہے، رواج دینے اور زندہ کرنے کے لیے کیسی جدوجہد عمل میں لا رہے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ قومی خصوصیات کا تحفظ ترقی کے لیے شرطِ اوّل ہے۔ ہندوؤں میں مسلمانوں سے زیادہ انگریزی داں اور گریجویٹ ہیں لیکن وہ اپنے مذہبی شعار و امتیازات کو کھو نہیں بیٹھے۔ فیصدی ایک کی نسبت بھی ہندو انگریزی دانوں میں ایسے لوگ نہیں ملیں گے جنہوں نے اپنی قومی وضع ترک کردی ہیں، چوٹی کو وحشت خیال کیا ہو۔ ایک ڈورا جس کو جنیو کہتے ہیں باندھنا چھوڑ دیا ہو۔ یہی سبب ہے کہ ان کا رشتۂ محبت گسستہ اور شیرازۂ قومیت منتشر نہیں۔ مغربی تعلیم سکھوں کے سر کے بالوں کا بوجھ نہ

اُتار سکی۔ ان کی داڑھی تک ولایتی اُسترے نہ پہنچ سکے۔ انگریزیت ان کی وضع کو تبدیل کرنے سے عاجز رہی لیکن مسلمان اپنے مذہبی شعائر سے دست بردار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ قرآنِ پاک کی تعلیم انھیں غیر ضروری معلوم ہونے لگی۔ اسلامی صورت سے نفرت ہوگئی۔ اسلامی وضع عار معلوم ہوئی۔ فرائض کی ادا میں شرم آنے لگی۔ اسلامی اعمال و افعال سے وہ نا آشنا ہو گئے۔ اسلامی خصائل و خصائص سے ان کی لوحِ زندگی سادہ ہوگئی۔ کفّار کی وضع، ان کا طرزِ معاشرت پسند آیا۔ یورپ کے رنگ میں رنگ گئے اور بایں حیثیت مسلمانوں سے مغائرت تامہ ہوگئی۔ اب جو مسلمان اسلامی وضع میں نظر آتا ہے اس کی صورت سے ان کے قلب میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ علما و صلحا کے نام سے دل بیزار ہے۔ پابندِ مذہب مسلمانوں کا مضحکہ اُڑایا جاتا ہے۔ نمازیوں پر آوازے کسے جاتے ہیں اور اُن کو ملّا کہتے ہیں۔ گویا ان کی اصطلاح میں ملّا حیوانِ لایعقل کا نام ہے۔ ہر ایک مذہبی ادا سے ان کو تنفر ہے اور ہر اسلامی وضع رکھنے والا ان کی نظر میں حقیر و ذلیل ہے۔ اس کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آنا، بے تکلف بات کرنا اور سلام کرنا تو کیا معنی کشادہ پیشانی سے سلام کا جواب دینا یہ سب باتیں آپ کی توہین ہے۔ یہ حالت اسلامی اتحاد و اخوت کو کس قدر صدمہ پہنچانے والی ہے۔ جس پر کسی قوم کی فلاح و بہبود، عزت و حُرمت کا دارومدار ہے۔ ستم ہے ہزار حدیثیں سنا دیجیے اثر نہیں۔ ایک انگریز کا قول پیش کر دیجیے سرِ عقیدت خم ہوگیا، گردنِ ارادت جھک گئی۔ کیا یہ دلِ مسلمان ہے یا غیر کی تعلیم نے اس کو اپنا کر لیا۔ اگر مذہبی علوم سے کچھ بھی بہرہ ور ہوتا یا علما صلحا کی صحبت رہی ہوتی، مذہب کا وقار دل میں ہوتا تو یہ حالت کیوں ہوتی؟ دوسروں سے زیادہ اپنے مذہب و ملت کے تحفظ میں جانیں نثار کرتے۔ مذہب کے ساتھ سچّی عقیدت و گرویدگی ہوتی تو خدامِ مذہب اور حامیانِ دین کی عزت و توقیر بھی دل میں ہوتی۔ میری آنکھوں نے دیکھا ہے اور آپ معائنہ کر سکتے ہیں کہ ہندو اپنے پنڈتوں اور پجاریوں کا کس قدر احترام کرتے ہیں۔ ایک والی ملک کا جلوس نکلتا ہے جب وہ ایک پاٹ شالہ کا افتتاح کرنے جاتا ہے مگر اس شان سے راجہ پالکی میں سوار ہے، اس کے آگے ہاتھی پر

طلائی عماری میں پنڈت وید لیے سوار ہے۔ رئیس کی نشست سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی عزت کرتا ہے۔ عیسائی اپنے پادریوں کے ساتھ کس تکریم و احترام کا برتاؤ کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے ہمارے نونہالوں اور سپوتوں کی زبانیں علمائے اہلِ مذہب کی توہین اور بدگوئی سے لذت حاصل کرتی ہیں۔ اگر کبھی قلم ہاتھ میں آ گیا تو علما کی خوبیوں کو عیب بنا ڈالا ہے اور ان کی ہستی کو نا پید کر دینے کے لیے اپنے امکان تک سعی کی ہے۔ آپ کی زبان و قلم سے آپ کے اکابر کی ایسی توہین ہوتی ہیں کہ مخالف (غیر مذہب والا) بھی باوصف جوشِ تعصب اس کی ہمسری نہ کر سکے۔ ایسی حالت میں اسلامی اجتماع کیوں کر قائم رہ سکتا ہے۔ اخلاص و محبت کی بنیادیں جنھیں آپ نے اپنی پوری طاقت سے کندہ کرنے کی کوشش کی ہے کیوں کر باقی رہ سکتی ہیں۔ آپ جس عمارت پر ہیں اس کا باعث یہی ہے کہ انگریزی کے نشے نے آپ کو سرشار کر دیا ہے اور آپ کا کارواں اس کے کیف میں مست ہے۔

علومِ اسلامیہ کے آبِ حیات سے آپ کے لب نا آشنا ہیں۔ اس کی لذتیں ابھی تک جناب کو غیر معلوم ہیں۔ اگر یہ اجنبیت دور ہو جائے اور دینی معلومات کی روشنی آپ کے دماغوں میں جلوہ گر ہو تو نئے دَور کے علوم آپ کو جہالت کی تاریکی معلوم ہونے لگیں۔ جب تک اپنے خزائن کے جواہرِ نفیسہ پر آپ مطّلع نہیں ہیں اور دوسروں کے نقلی اور جعلی پتھروں کی جھوٹی چمک دمک پر شیدا ہیں۔ جس وقت اپنے گہر آبدار سامنے آئیں گے وہ پتھر یقینا آپ کی نظر میں بے وقعت ہو جائیں گے۔ علومِ دینیہ سے تعلق ہوگا تو آپ ان مقاصد کی طرف چل پڑیں گے جن کی طرف وہ رہنمائی کرتے ہیں۔ جب ان پھولوں کی خوش بو آپ میں بس جائے گی تو آپ کے پسینے کا ہر قطرہ ہزار چمن زاروں کو شرمائے گا۔ آپ کے افعال و اعمال میں آپ کے اخلاق و آداب میں آپ کی خو، بو میں آپ کے طرزِ عمل اور طریقۂ زندگی میں اسلامی کے جلوے نمودار ہوں گے۔ اسلامی معلومات سے دماغ روشن ہوا اور انگریزی کی بجائے وہ آپ کے رگ و ریشے میں سرایت کر جائے تو آپ کے افعال ضرور اس پیمانہ اور اس میزان پر واقع ہوں گے جو شریعتِ اسلامیہ نے مقرر فرمائی ہے۔ پھر اپنے نفس سے لے کر

دور دراز کے تعلقات تک درست ہو جائیں گے اور آپ اعلیٰ زندگی بآسانی بسر کر سکیں گے۔

جب آپ کو ماں باپ، بھائی بہن، بی بی بچے، چھوٹے بڑے سب کے حقوق و مدارج معلوم ہوں گے، جو شریعت نے مقرر فرمائے ہیں اور آپ انھیں اپنا دستور العمل بنائیں گے، اسی کے مطابق اپنے گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کریں گے تو خانہ جنگی کا خاتمہ ہو جائے گا اور تدبیر منزل اور انتظام خانہ داری خود بخود اعلیٰ حیثیت پر آ جائے گا۔ گھر کی چپقلش، گھر والوں کے رنج وتعب، باہمی کشاکش سب دور ہو جائے گی۔ آپ شریعتِ طاہرہ کی روشنی میں اپنا اور اپنے گھر کا انتظام کیجیے۔ کسبِ معاش اور مصارف پر اس کے منشا کے مطابق عمل کیجیے۔ پھر دیکھیے آپ کی مشکلات کافور ہوئی جاتی ہیں اور آپ کی باہمی محبت وارتباط میں ایسا اخلاص حاصل ہوتا ہے جس سے زندگی کا لطف آ جائے۔ عزیز و اقارب، دوست آشنا، ہمسایہ، محلہ دار، اہلِ شہر بلکہ تمام مسلمانوں کے حقوق جب آپ کو معلوم ہوں اور ہر ایک کے مراتب کا لحاظ رکھیں اور دینی تعلیم آپ کی عادت ہو جائے تو آپ کا تمدّن درست ہو جائے گا۔ یگانگت اور اتحاد، دوستی و یک دِلی کے نقشے جا بجا نظر آنے لگیں گے۔ دشمنی اور عداوت نیست و نابود ہو جائے گی اور اس کی وجہ سے جو ناگوار صدمے برداشت کرنے پڑتے ہیں، ان سے امن رہے گا۔ بدخواہوں اور بدگویوں کی وجہ سے نجات ہوگی۔ لڑائی جھگڑوں میں عزت، مال، وقت صرف ہونے سے بچا گا۔ اخوت ومؤدت، ہمدردی وغم خواری کی موجیں عجیب لطف پیدا کریں گی اور ہر مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے پیش آنے والی رکاوٹیں مرتفع ہو جائیں گی۔ آپس کی یک دلی و یک جہتی سے سبھی آسانیاں بہم پہنچیں گی۔ مسلمان جب اپنی ایسی عادت بنا لیں تو ان کا اجتماع اتم اور اتحاد مکمل ہو جائے گا۔ دنیا کی قومیں اس کی عزت کرنے لگیں۔ جب ہر مسلمان ایک دوسرے کا مددگار اور خیر خواہ ہو اور ہر ایک کی زبان سے دوسرے کی نسبت کلمۂ خیر ہی نکلے۔ ایک دوسرے کی مرفہ الحالی، ترقی، عزت، جاہ ومنزلت، دولت مال، ثروت شوکت، زہد ورع، تقویٰ، عبادت وطاعت سے خوش ہو۔ غیبت اور حضور میں محبت بھرے کلمات سے ذکر کرے۔ کسی کی زبان سے مسلمان کی برائی نہ سن سکے تو غیروں کی نگاہوں میں مسلمان کی ہیبت و وفا کا وہی عالَم ہوگا جو زمانۂ سلف میں تھا۔ مسلمانوں کے یہی ہتھیار رہیں۔

یہی جہاد ہے کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان بنائیں اور اپنے نفس کا فر کیش کو مغلوب کریں۔ اس کو اسلام کے اُصول بتائیں۔ اگر اس پر قدرت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان بنا لیجیے تو آپ دوسروں کو کیا مسلمان بنا سکیں گے۔ اگر آج اپنے نفس کافر کو مغلوب نہیں کر سکتے تو دوسرے کفّار پر غلبہ حاصل کرنا کہاں تک قرینِ قیاس ہے۔ تم مسلمان بنو، جہاں تمہارے سامنے سر افگندہ ہوگا۔ دنیا میں تمہاری شوکت کے پھریرے لہرائیں گے۔ تمہارے عروج و اقبال کی صداؤں سے دنیا کا گوشہ گوشہ گونج اُٹھے گا۔ تمہاری کھوئی ہوئی دولت پھر واپس مل جائے گی۔ تمہارا گیا وقت پھر لوٹ آئے گا۔ تمہاری قوم پھر جی اُٹھے گی۔ مسلمان بنو۔ پکّے مسلمان۔ علومِ دینیہ سے علاقہ پیدا کرو۔ علما سے صلح کی بنیاد ڈالو۔ عیسائیوں کی گود میں پرورش پا کر پکّے مسلمان بننے کی توقع بعید از عقل ہے۔

☆☆☆☆

اے برباد